

حیاتِ محکومہ

”آذر لندن آرہا ہے۔ شام چار بجے تک وہ پہنچ جائے گا اسٹیشن۔“ ٹانیہ نے اسے صبح ہی فون پر بتایا تھا۔

”افس کے کام سے وہ دو دن سے برطانیہ میں تھا۔ اسکاٹ لینڈ سے اسے آج لندن آنا ہے۔“ ٹانیہ نے تفصیل بتائی۔ ٹانیہ کا وہ فون اس کے لیے کسی مجرم کے رونما ہونے کی خبر سے بڑھ کر تھا۔

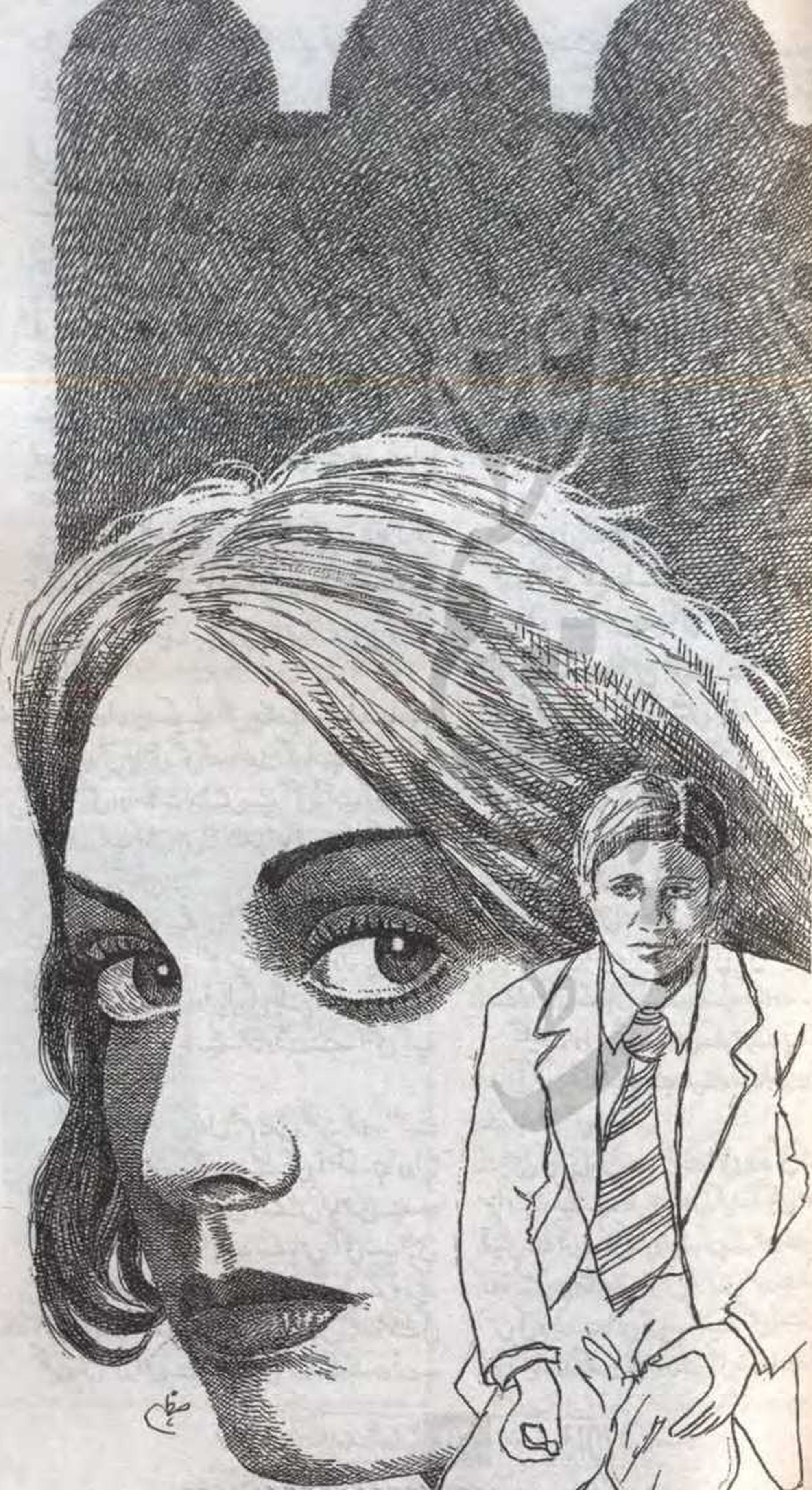
”آپ سے ملنے نہیں آرہا آنٹی! اپنے کسی کام سے آرہا ہے۔ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ آپ اسے دور سے دیکھ لیجئے گا۔ اگر اسے معلوم ہوا کہ میں نے آپ کو

اس کے آنے کا بتایا ہے تو وہ بہت ہنگامہ کرے گا، پلیز آنٹی!“

اور فریال نے ٹانیہ سے وعدہ کیا کہ وہ آذر کو صرف دیکھے گی، ملے گی نہیں لیکن یہ وہ اس وقت بھی جانتی تھی کہ وہ جھوٹا وعدہ کر رہی ہے۔ وہ آذر کو دیکھے گی نہیں وہ اس سے لیٹ جائے گی۔ اسے بھیج لے گی اور پھر بے تحاشا پیار کرے گی۔ وہ آذر کو دیکھ کر اس سے دور کیسے رہ سکتی ہے۔

وہ سات سال بعد اس سے ملنے والی تھی، دیکھنے والی تھی۔ جب وہ گھر چھوڑ کر گیا تھا، اس وقت وہ اٹھارہ

نارولیٹ



سال کا تھا۔ فریال کے لیے چھوٹا سا بچہ تھا۔ اب وہ خود ایک بچی کا باپ بن چکا تھا۔

اتنا لمبا عرصہ۔ اتنے بہت سارے دن۔ اتنی لمبی لمبی راتیں اس نے آذر کو یاد کرتے کرتے پکارتے اس کے لیے روتے ہوئے گزار دی تھیں۔ ثانیہ کا فون سنتے ہی وہ فوراً "لندن ریلوے اسٹیشن آگئی۔ اپنے گھر کو لاگ بھی نہیں کیا۔ وہ بے حد خوش تھی۔ خوشی کے مارے اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ بس سے آنے کے بجائے وہ ٹیکسی سے آئی۔ وہ ایک ایسے چھوٹے بچے کی طرح لگ رہی تھی جو غبارے ہاتھ میں پکڑے اپنے والدین کے ساتھ پہلی بار آؤس کریم کھانے جا رہا ہو۔

اسٹیشن کی بھیڑ میں وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر اسے یاد آیا کہ آذر کو چار بجے تک آنا ہے اور ابھی صرف گیارہ بجے ہیں۔ اس نے ثانیہ کو فون کیا۔

"کیا وہ لندن کے لیے نکل چکا ہے۔" وہ ایک بار پھر سے تصدیق چاہتی تھی کہ وہ لندن آ رہا ہے۔

"ابھی وہ اسکاٹ لینڈ میں ہے آنٹی! آپ کو بتایا تھا نا کہ وہ۔ آپ کہاں ہیں؟" ثانیہ اچانک چونک کر بولی۔

"میں اسٹیشن۔"

"آپ گیارہ بجے ہی اسٹیشن آگئیں؟ میں نے غلطی کی آپ کو بتا کر۔" ثانیہ کو افسوس ہوا۔ یہ افسوس اسے تب نہ ہوتا اگر وہ فریال کی جگہ پر ہوتی۔

"پلیز آنٹی! گھر جائیے۔ اتنا وقت ہے۔ ابھی آپ یہاں کیا کریں گی؟"

"میں بہت خوش ہوں، تم میری فکر نہ کرو۔" اسے خدشہ تھا کہ وہ چار بجے سے پہلے بھی آسکتا ہے، وہ اپنا ارادہ بدل سکتا ہے، سوجلدی آنے میں کیا حرج ہے۔ وہ

اسٹیشن کے بیرونی دروازے کے پاس آگئی۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے وہ ہر آنے جانے والے کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ اسٹیشن کے اندر اسے نہیں ڈھونڈ سکے گی مگر یہاں آذر اس سے بچ کر نہیں گزر سکے گا۔ وہ قریب

ہی ایک جگہ بیٹھ گئی اور ٹھنکی لگا کر ہر ایک کو دیکھنے لگی ابھی اس کے آنے کا وقت نہیں ہوا تھا، مگر کون جانے وہ آج بھی جائے۔

وہ گزرنے والوں کی شکل کی طرف دیکھتی اور پہچاننے سے پہلے ہی مسکرانے لگتی۔ اسے یہ ڈر بھی تھا کہ اس کے ہلکے جھپکنے کے دوران ہی کہیں آذر اس سے بچ کر نہ نکل جائے۔ وہ ایک لمحے بھی نظریں ادھر ادھر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

گیارہ سے بارہ اور بارہ سے ایک بج گیا۔ وہ اسی ایک جگہ پر نظریں جمائے بھی کھڑی ہوئی۔ کبھی بیٹھ جاتی وہ خوش تھی مگر اسے چین و قرار نہیں تھا۔

دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا، لیکن اسے بھوک پیاس محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ کاؤنٹر تک جائے اور اسکاٹ لینڈ سے آنے والی ٹرین کا پوچھے، لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اسے

"ٹرین لیٹ ہے یا ٹرین سرے سے آئی نہیں رہی" جیسی منحوس خبریں سننے کو ملیں، جبکہ ایسی خبروں کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن اس کے نزدیک کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ وہم کو دل میں جگہ دینا نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ

دل میں جگہ بنا رہے تھے۔

اس کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔ اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ آذر اس سے ملنے نہیں آ رہا۔ وہ وہاں ایسے انتظار کر رہی تھی جیسے آذر نے اسے فون کر کے وہاں آنے کے لیے کہا ہو۔

تکلیف اور خوشی نے اس کے چہرے پر شکنوں کو نمایاں کر دیا تھا۔ ایک لمبے عرصے کے بعد وہ آذر سے ملنے جا رہی تھی۔

اس کی اپنی ماں سے نفرت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اسے سزا دینے کے لیے گھر ہی چھوڑ گیا۔ اچھی سزا تھی جو فریال نے خوب کائی۔ وہ ایک کرپٹ عورت کے ساتھ

رہنا نہیں چاہتا تھا۔ خاص کر ایسی عورت کے ساتھ جس کی وجہ سے اس کا باپ ایسے بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔ وہ ایک بری عورت تھی۔ وہ بار بار اسے کہہ

اس کی اپنی ماں سے نفرت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اسے سزا دینے کے لیے گھر ہی چھوڑ گیا۔ اچھی سزا تھی جو فریال نے خوب کائی۔ وہ ایک کرپٹ عورت کے ساتھ

رہنا نہیں چاہتا تھا۔ خاص کر ایسی عورت کے ساتھ جس کی وجہ سے اس کا باپ ایسے بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔ وہ ایک بری عورت تھی۔ وہ بار بار اسے کہہ

اس کی اپنی ماں سے نفرت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اسے سزا دینے کے لیے گھر ہی چھوڑ گیا۔ اچھی سزا تھی جو فریال نے خوب کائی۔ وہ ایک کرپٹ عورت کے ساتھ

رہنا نہیں چاہتا تھا۔ خاص کر ایسی عورت کے ساتھ جس کی وجہ سے اس کا باپ ایسے بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔ وہ ایک بری عورت تھی۔ وہ بار بار اسے کہہ

خبر کیا تھا کہ وہ بری عورت ہے اور وہ اس عورت کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔

"تم نے گشتیوں والے کام بھی شروع کر دیے۔" وہ کچن میں کھڑی رات کا کھانا بنا رہی تھی۔

آذر سامنے ہی بیٹھانی وی دیکھ رہا تھا جب وہ بیگ ہاتھ میں لیے اس کے سامنے کھڑا ہو کر چلانے لگا۔

"ویدہ دلیری تو دیکھو۔ بے شرم ویسے ہی دلیر ہو جاتا ہے۔"

"جیسے تم ہو۔" وہ بدستور اپنا کام کرتے ہوئے پلٹے بغیر بولی۔

"مجھے بے شرم کہا۔" بیگ پھینک کر اس نے اس کی گردن پکڑی۔

"تمہیں تمہاری اصلیت بتا رہی ہوں۔" اس سے اپنی گردن آزاد کروا کر وہ کچن سے باہر نکلی۔ آذر سما ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"آذر! تم کمرے میں جاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ آذر کے پاس آ کر بولی۔ وہ جانتی تھی کہ اب یہ تماشا رات گئے تک لگا رہے گا۔

"بیٹھا رہنے دو اسے یہاں۔ اسے جانے دو سب کچھ۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی ماں باہر کیا کیا کرتی ہے۔"

"آذر! او میرے ساتھ۔" آذر کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے کمرے میں لے آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

"اس کی ماں سولہ سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتی ہے باہر سیہ بتاؤں اسے یہ کہ اس کا باپ سولہ منٹ کام کر کے کما کر نہیں لاسکتا۔ اسے کھلانا تو دور کی بات ہے۔"

"وہ واپس آ کر کچن میں کام کرنے لگی۔"

"یہ کیا ہے؟" اس نے رسید اس کی آنکھوں کے سامنے لا کر لہرائی جیسے اس کی چوری پکڑی ہو۔ رسید تو بیگ میں مل گئی۔ انگوٹھی کہاں ہے ہیرے کی؟

اسے عادت تھی اس کا بیگ اس کی الماری حتی کہ کچن میں بنے دروازے تک چیک کرنے کی۔ جب وہ بالکل

خالی جیب ہو جاتا تو وہ گھر کی ہر چیز سوچتا پھرنا حتی کہ گلدان اور لائڈری مشین بھی۔

"کس یار نے لے کر دی ہے یہ۔؟"

"تمہیں یقیناً یار کی فکر تو نہیں ہوگی۔ فکر تو تمہیں انگوٹھی کی ہے نا؟" وہ برتن دھونے لگی۔

اس بات نے اسے اور طیش دلایا۔ اس نے اس کی کمر پر زور سے ایک لات ماری۔ انتہائی غصے میں وہ یہی کرتا تھا۔

"بنا حرام۔ کس نے لے کر دی ہے؟" اس نے ایک سانس میں چار پانچ گالیاں بوے دیں۔

کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے وہ زمین پر ادھ موٹی ہو رہی تھی۔

"گھوگی کی تھی۔ آج وہ میرے ساتھ خریداری کرنے گئی تھی۔ اس کے پاس سامان بہت تھا۔ میں نے اسے بیگ میں رکھ لی۔"

"تو انگوٹھی اس نے نکال لی اور رسید تجھے پکڑا گئی؟"

خالی جیب ہو جاتا تو وہ گھر کی ہر چیز سوچتا پھرنا حتی کہ گلدان اور لائڈری مشین بھی۔

"کس یار نے لے کر دی ہے یہ۔؟"

"تمہیں یقیناً یار کی فکر تو نہیں ہوگی۔ فکر تو تمہیں انگوٹھی کی ہے نا؟" وہ برتن دھونے لگی۔

اس بات نے اسے اور طیش دلایا۔ اس نے اس کی کمر پر زور سے ایک لات ماری۔ انتہائی غصے میں وہ یہی کرتا تھا۔

"بنا حرام۔ کس نے لے کر دی ہے؟" اس نے ایک سانس میں چار پانچ گالیاں بوے دیں۔

کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے وہ زمین پر ادھ موٹی ہو رہی تھی۔

"گھوگی کی تھی۔ آج وہ میرے ساتھ خریداری کرنے گئی تھی۔ اس کے پاس سامان بہت تھا۔ میں نے اسے بیگ میں رکھ لی۔"

"تو انگوٹھی اس نے نکال لی اور رسید تجھے پکڑا گئی؟"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

نخل حسی بی بی

فاخرہ جبین

قیمت - 400 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

فون نمبر: 32735021

37، اردو بازار، کراچی

71

جنوری 2013

الو کا پٹھا سمجھ رکھا ہے نا مجھے؟ اپنے باپ کی طرح جو تیری کمائی کھاتا ہے۔

”جاتے ہوئے وہ انگوٹھی لے گئی۔ رسید رہ گئی میرے بیگ میں۔ گوگی سے فون کر کے پوچھ لو۔“ وہ جانتی تھی کہ ایک لات مارنے کے بعد وہ اب اسے سارے گھر میں گھسیٹے گا۔

مجھے یہ کہانی مت سنا۔ صرف اتنا بتا کہ یہ کس نے لے کر دی؟ تیرا کیا خیال ہے میں جانتا نہیں کہ وہ کمپنی کا ڈرائیور اور تو دونوں کیا کیا کرتے پھرتے ہو۔“

”وہ میرا بھائی بنا ہوا ہے۔ کچھ شرم کرو۔“

”تم جیسی عورتیں بھائی ہی بناتی ہیں۔ بہت بھائی بنا رکھے ہوں گے اور بھی۔ کمپنی میں بھی۔“

”جیسے تم نے اپنی کئی بہنیں بنا رکھی ہیں۔“

”ہاں! بنا رکھی ہیں۔“ وہ مارنے کے لیے اس کی طرف لپکا۔

”میرے پاس نہ آنا۔ میں پولیس کو فون کروں گی۔“

”پولیس۔ کر پولیس کو فون۔ لے کر۔“ کھڑا کھڑا وہ اسے اپنی ٹانگوں سے مارنے لگا۔ ”آج تو کر ہی لے اپنا شوق پورا۔ جا کر۔“

جب وہ اسے مارتے مارتے تھک گیا تو رسید اٹھا کر آذر کے کمرے میں آگیا اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

آذر پہلے ہی باہر کی آوازوں سے سہا بیٹھا تھا۔

”یہ دیکھو آذر!“ نادر نے آذر کو گود میں بٹھایا۔ اس کا ماتھا چوم اور رسید اس کے ہاتھ میں دی۔ ”تمہاری ماں نے اتنے بہت سارے پیسوں کی خریداری کی ہے۔ بہت مہنگی مہنگی چیزیں لی ہیں۔ یہ سب اسے اس کے دوست نے لے کر دی ہیں۔ تمہاری ماں اور وہ دوست آپس میں بہت خوش رہتے ہیں۔ تمہاری ماں نہ میرا خیال رکھتی ہے اور نہ ہی تمہارا۔ آج میں نے پوچھا کہ وہ آدمی کون تھا تو لڑنے لگی۔ ہمارا مذہب عورت کو ایسی آزادی نہیں دیتا۔ ایسی عورت کو بدکردار کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں تو مجھ سے لڑتی ہے۔“

سات سالہ آذر سر اٹھا کر حیرت سے اپنے باپ کی

باتیں سن رہا تھا۔

”دروازہ کھولو نادر! خدا کے لیے بچے پر رحم کرو۔“ فریال دھڑا دھڑا دروازہ پیٹنے لگی۔ ”وہ نفسیاتی مریض بن جائے گا۔ اپنے بچے پر تو رحم کرو نادر!“

”اسے تمہارے کروات بتا رہا ہوں۔“ نادر نے چلا کر کہا۔

وہ مسلسل دروازہ پیٹے جا رہی تھی جب تک کہ اس نے دروازہ کھول نہ دیا۔

”کیوں۔۔۔ تم نہیں چاہتیں اسے سب معلوم ہو۔۔۔“

فریال اس کی بات سننے بغیر آذر کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے آئی اور دروازہ لاک کر لیا۔ آذر اس سب ڈرامے کے دوران خاموش ہی تھا۔ وہ ہر بار خاموش ہی رہتا تھا۔

”پاپا مذاق کر رہے تھے آذر! تمہارے ساتھ۔ تم جانتے ہو نا، کبھی کبھی انہیں غصہ آ جاتا ہے۔“ وہ آذر کا سر سہلانے لگی۔

ایک عرصے سے آذر کی معمولی کارکردگی پر اسے بار بار اسکول بلایا جا رہا تھا۔ آذر دن بدن صغریٰ ہوتا جا رہا تھا۔ اسکول کے ہی ڈاکٹر نے آذر کے لیے نفسیاتی ڈاکٹر تجویز کیا تھا۔ ایک ماہ سے فریال، آذر کو ڈاکٹر کے پاس لے کر بھی جا رہی تھی۔ لیکن وہ ٹھیک کیسے ہوتا۔ ٹھیک ہونے کے لیے اس کے ماں اور باپ دونوں کا ٹھیک ہونا ضروری تھا اور ایسا ناممکن تھا۔ شروع سے ہی وہ کم گو تھا، لیکن گزرتے وقت نے اسے خاموش تر بنا دیا۔ لندن میں آذر، فریال کا کل اثاثہ تھا۔ اس کا اکلوتا بیٹا۔

دس سال پہلے فریال جب بیاہ کر لندن آئی تھی تو اتنی اذیت ناک زندگی کے بارے میں اسے گمان تک نہیں تھا۔ وہ سرکاری اسکول سے آٹھ جماعتیں پاس تھی۔ نادر اس کا دوسرا بڑا کارشتہ دار تھا۔ چند سالوں سے وہ لندن میں ہی مقیم تھا۔ نادر نے ہی فریال سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا تھا، کیوں؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ شادی کے فوراً بعد ہی وہ نادر کے ساتھ لندن

آئی۔ لوگ اس کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔ خود وہ بھی کرتی تھی۔ وہ گھر میں سب سے بڑی تھی اور کڑھائی سلائی کا کام کر کے گھر کے لیے ایک معمولی سا سہارا بنی ہوئی تھی۔ اس کے چار چھوٹے بہن بھائی سرکاری اسکول میں پڑھتے تھے اور باپ پوسٹ آفس میں جو کیدار تھا۔ وہ بے حد غریب نہیں تھے۔ صرف اتنے کہ وہ تین وقت کا کھانا ہی سہولت سے کھا سکتے تھے بس۔

وہ لندن جا رہی تھی یہ ان کے گھرانے کے لیے قارون کے خزانے جیسی بات تھی۔ وہ خزانہ نادر اور لندن تھے۔ لندن ایک ایسی جگہ جہاں جانے کا اس کی ساتویں نسل بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

لندن میں نادر اسے ایک کمرے کے ڈربے نما گھر میں لے آیا۔ دو دن بعد ہی وہ اسے دواؤں کی ایک کمپنی میں لے گیا۔ نادر نے اسے ڈبل ڈیوٹی ورکرز میں لگوا دیا تھا۔ اسے اٹھارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا۔ محنت کرنے پر اسے اعتراض نہیں تھا۔ اپنے چھوٹے سے شہر میں بھی وہ محنت ہی کرتی تھی۔

نادر اس سے اس کی ساری تنخواہ لیتا تھا۔ نادر چند گنی چنی چیزیں کھانے پکانے کے لیے لے آتا۔ وہ لندن میں پاکستان سے زیادہ غربت کا سامنا کر رہی تھی۔ نادر کا کہنا تھا کہ وہ اس قرض کو ادا کر رہا ہے جو اسے لندن لانے کے لیے اس نے لیا تھا اور وہ بہت زیادہ تھا جس کے لیے وہ بھی دن رات کام کر رہا تھا۔ وہ چھوٹے شہر کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی۔ سولہ سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتی تھی۔ اپنے شوہر سے بہت پیار کرتی تھی اور لندن آکر رہنے میں ہی بہت خوش تھی۔

”انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش۔ بہت لوگ تم جیسی بیویاں امپورٹ کرتے ہیں وہاں سے۔“

یہ گوگی تھی۔ کمپنی میں اس کے ساتھ کام کرتی تھی اس کی کچھ جھجک ختم ہوئی اور اس نے بولنا اور دوسروں کو سننا شروع کیا تو اسے بہت سی نئی باتوں کی سوجھ بوجھ آنے لگی۔ جوئی صرف اس کے لیے تھیں۔ اس کی بہت سی پاکستانی اور انڈین عورتوں سے

دوستی ہو گئی تھی۔ گوگی سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ کھانے کے دورانیے میں گوگی ہی ان سب کو لپکھتی۔

”ایک یہ ہے نرملا۔ دس سال سے یہاں کام کر رہی ہے۔ آج تک میں نے اسے ڈھنگ کی ساڑھی میں نہیں دیکھا اور یہ پاکستان کی لڑکی نرملا سے بھی آگے ہے۔ اس نے لندن آکر آس کر ہم تک خرید کر نہیں کھائی۔“

فریال اس کی سچائی پر افسوس ہو گئی۔ یہ گوگی ہی تھی جو اسے گلے بگاڑے سمجھاتی رہتی تھی کہ وہ نادر کو اپنا شوہر سمجھے۔ اسے اپنا آقا نہ بنائے۔ اسے سارے پیسے نہ دیا کرے کچھ اپنے پاس بھی رکھا کرے۔

پہلی بار مار بھی اسے اسی بات پر پڑی تھی جب اس نے نادر کو آدھے پیسے دیے تھے اس نے اس کی مار کھائی، مگر پیسے آدھے ہی دیے۔ پہلی بار مشکل لگا مگر اس نے کر لیا۔ وہ اپنے گھر پیسے بھیجنا چاہتی تھی۔ اس کا باپ بیمار تھا۔

”اگر وہ کماتی تھی تو اس کی کمائی پر صرف اسی کا حق تھا۔“ یہ گوگی کا کہنا تھا جسے وہ جلدی ہی سمجھ گئی، ٹھیک دو سال بعد۔ ہر بار نادر اسے پیسوں کے لیے مارتا۔ خود وہ پتا نہیں کیا کرتا تھا۔ کبھی دنوں کے لیے غائب رہتا تھا اور کبھی ہفتوں کے لیے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس سے پوچھے کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔

وہ اس کی مار کھا لیتی تھی مگر پھر بھی اس کی مار اور غصے سے ڈرتی تھی۔ تھوڑا بہت بھی وہ اپنی دوستوں کے کہنے پر بول لیتی تھی۔ تین سال بعد جب آذر آنے والا تھا تو گوگی کے مشورے پر ہی فریال نے گھر بدل لیا۔

”ہمت ہے تمہاری۔ تم اس غسل خانے جتنے گھر میں رہتی ہو۔“

گوگی نے ہی کرائے پر گھر لے کر دیا۔ کچھ اپنے جمع شدہ پیسے اور کچھ اس نے گوگی سے ادھار لیے اور وہ دو کمروں کے فلیٹ میں کرائے دار بن کر رہنے لگی۔

صاف ستھرا گھر اس کی زندگی میں خوش گوار تبدیلی لایا۔ اسے اچھا لگتا تھا اس گھر میں رہنا۔ حیرت انگیز

طور پر نادر نے اس کے گھر بدلنے پر کوئی ہنگامہ نہیں کیا۔ گھر آج بھی کیوں گھر کا کر لیا بھی اسے دینا تھا اور اخراجات تو وہ پہلے ہی خود سے اٹھاتی تھی۔ جب نادر پورے مہینے لے لیتا تھا تب بھی گئی جتنی چیزیں ہی پکالنے کے لیے لاتا تھا۔

”تم جیسی پاگل عورتیں ہی مردوں کو شیر بناتی ہیں۔“ کوگی اسے کافی عرصے سے سمجھا رہی تھی کہ وہ نادر کو پیسے دینا بند کر دے۔ گھر کا کرایہ ”روز مرہ کے اخراجات“ آذری ضروریات اس کی اپنی صحت، مگر وہ کیسے یہ سب کرتی۔ وہ بار بار اسے یہی دیکھتی دیتا تھا کہ وہ اسے پاکستان واپس بھیج دے گا۔ وہ پاکستان جانے سے ڈرتی تھی۔ یہاں تو وہ پھر بھی اچھا خاصا کمائی تھی گھر بھی پیسے بھیج دیتی تھی۔ وہاں وہ کیا کمائی تھی۔ وہی دو دھائی ہزار مہینے کے۔

نادر اس کے گھر میں چھپا کر رکھے میسے بھی نکال کر لے جاتا تھا۔ اسے یہ پروا بھی نہیں تھی کہ وہ ایسی گھر چلائی ہے، بچے کو سنبھالتی ہے۔

ایک دن پاکستان سے اس کے گھر والوں کا فون آیا۔ ان کا کہنا تھا کہ نادر کی پاکستان میں موجودگی کی اڑنی اڑنی خبر ان تک پہنچی ہے۔ نادر مہینے سے غائب تھا۔ وہ اسے کام کے سلسلے میں دوسرے شہر جانے کا بتا کر گیا تھا۔

”اڑنی اڑنی خبر جیج بھی ہو سکتی ہے۔“ کوگی کو اڑنی اڑنی خبر یقین تھا۔

”لیکن وہ پاکستان جائے گا کیوں؟“ فریال کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”تمہاری طرح کی ایک اور لینے۔“ کوگی سنجیدہ تھی۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“

اس نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا کہ نادر یہیں ہے۔ وہ انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

”میں گھر والوں سے کہو وہاں پتا کریں۔ وہ وہیں ہے۔ مجھے یقین ہے۔“

”باپا رتے ہیں۔ میں انہیں پریشان کرنا نہیں

چاہتی۔“

”پھر خود ٹکٹ کٹو اور جاؤ۔“ کوگی کو غصہ آ گیا۔ وہ اتنی سمجھ دار بہت والی ہوتی تو ابھی تک نادر کی بیوی نہ ہوتی۔

جب نادر آیا تو اس نے اس سے پوچھا۔

”پاگل تو نہیں تمہارے گھر والے مجھے کیا

ضرورت تھی پاکستان جانے کی؟“

”اس کا پاسپورٹ دیکھنا تھا۔ دیکھا؟“ کوگی پوچھ

رہی تھی۔

”وہ تو اسی کے پاس ہوتا ہے۔ میں کیسے دیکھتی؟“

”پھر جا کر اپنا ڈیبا چیک کر۔“ کوگی نے نہ صرف

مشورہ دیا، بلکہ اسے ساتھ لے کر بھی گئی۔

اس ڈربے میں واقعی ایک اور مرضی موجود تھی،

انتہائی سادہ اور سہمی ہوئی۔ دو دن پہلے ہی وہ وہاں آئی

تھی۔

”نادر کون ہے تمہارا؟“ کوگی نے ہی ساری پڑتال

کی۔

”شوہر۔“

”اے۔۔ اچھا۔ ہمارا مت بتانا۔ ہم یہاں پہلے

کرائے دار تھے۔ اس لیے نادر کو جانتے ہیں۔“ کوگی

نے بچی کے گالوں پر چٹکی بھری۔ وہ بچی ہی تھی، جو اسیلی

وہاں پڑی تھی۔

”کہا تھا نا تمہیں۔ دیکھ لی اس کی نئی بیوی۔ نئی

فریال۔“



”تم پاکستان سے ایک اور بیوی لائے ہو؟“ دو دن

بعد جب وہ گھر آیا تو فریال نے اس کے بیٹھنے کا انتظار

بھی نہیں کیا۔ اس کی بات پر وہ کافی دیر تک خاموش ہی

رہا۔

”بیوی نہیں ہے میری۔ میرے دوست کی رشتے

دار ہے۔ اسے یہاں کام کرنا تھا۔ پیپر میرج کرنا پڑی

اس کے ویزے کے لیے۔ غریب ہے بہن بھائیوں کی

واحد تکلیف ہے۔ میں نے تو مدد کی ہے اس کی۔“ وہ

اسے اور تین چار باتیں سن کر سو نہ چلا گیا۔ ”پاگل! اس لڑکی کی شکل یاد کر۔ وہ جتنی لگتی ہے برطانیہ آ کر کام کرنے والی وہ تو شاید کبھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلی ہوگی کبھی۔“

کوگی نے اسے سمجھایا بہت مثالیں دیں، مگر اس

میں شاید جج کو قبول کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ خود کو

بھی دھوکا دے رہی تھی۔ اس نے نادر کی بات پر یقین

کر لیا تھا۔

”جس عورت کے ساتھ دھوکا ہوتا ہے۔ اس

دھوکے میں آ جی وہ خود شریک ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنا

دلغ استعمال نہیں کرتے۔ وہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔

عذاب صرف برے لوگوں کو ہی نہیں ملتا چاہیے۔

انہیں بھی ملنا چاہیے۔ جو برے لوگوں کو شہرہ دیتے

ہیں۔“ کوگی کو بے تحاشا غصہ تھا فریال پر۔

کچھ دنوں تک نادر باقاعدگی سے گھر آتا رہا۔ گھر کا

ماحول بھی ٹھیک ہی رہا۔ ایسے دنوں میں آذر بہت خوش

ہو آتا تھا۔ جب نادر زیادہ سے زیادہ وقت گھر میں گزارتا

تھا۔

چند دنوں بعد اس کی پرانی ڈگر لوٹ آئی۔ فریال اس

کی زندگی میں ایک ملازمہ سے بڑھ کر نہیں تھی۔ ایک

بار مارنے کے بعد اس کا ہاتھ کھل گیا تھا۔ وہ بات بات

پر اسے بلا وجہ مارتا تھا تاکہ وہ اس کے سامنے خوف زدہ

ہی رہے۔

آذر بڑا ہو رہا تھا اور فریال نہیں چاہتی تھی کہ اس

کے سامنے کوئی لڑائی ہو۔ وہ اس کا واحد امانت تھا۔ اسے

اس کی تعلیم کے لیے اس ملک میں رہنا تھا۔ وہ اپنے

بچے کو غربت میں واپس لے جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ

ڈبل ڈبل کام کرتی تھی۔ ہفتے کے پانچ دن دواہیوں کی

کمپنی میں اور ہفتہ آٹوار ایک گودام میں، جہاں اس

کا کام صفائی کرنا تھا۔ گھر میں اس کے بھائی، بہن بڑے

ہو رہے تھے۔ ان کے لیے اسے الگ سے محنت کرنا

پڑتی تھی۔ ان کا مستقبل بھی فریال کے ہاتھوں میں ہی

تھا۔

نادر کی بدترین عادت یہ تھی کہ وہ اس کے پاس کوئی

پیسہ نہیں رہنے دیتا تھا۔ وہ گھر آتا ہی کھانے اور پیسے لینے کے لیے تھا اور ہر بار مار، خاص کر آذر کے سامنے ملے بچنے کے لیے اسے نادر کو پیسے دینے ہی پڑتے تھے۔ وہ نادر کے لیے کسی نہ کسی طرح پیسے بچا کر رکھتی۔

”میں اخبار کا نمائندہ تمہارے گھر بھیجتی ہوں۔ تم

اسے اپنی کمائی سناؤ۔“ کوگی ہر بار اسے اسانی، مگر وہ

چھوٹے شہر کی چھوٹی عورت بڑی بہت نہیں کر سکتی

تھی۔

”نہیں! نادر مجھے طلاق دے دے گا۔“

”جب خود کو اور اپنے بچے کو تمپال رہی ہو تو طلاق

ہو جانے سے کیا فرق پڑے گا؟“

”میں اکیلا ہونے سے رہنے سے ڈرتی ہوں۔“

اکیلے رہنے سے ڈرتی ہو؟ اکیلے مار کھاتے نہیں

ڈرتیں؟ اس کے جوتے اپنے منہ پر کھاتی ہو اور اس

کے منہ میں اپنی کمائی ڈالتی ہو۔ جو جوتی کالے اسے

پھینک دیتے ہیں۔“

”نادر جوتی نہیں ہے۔“

”ٹھیک کہا، نادر تو تمہارے پاؤں کی جوتی بھی نہیں

ہے۔ میرے پہلے شوہر نے جب اپنے جوتے کی نوک

میرے منہ میں گھسائی تو میں نے اسے اپنے لیے

آخری بار سمجھ لیا۔ اسی رات میں نے فیصلہ کر لیا کہ

میں جوتوں کو اپنے پیروں میں رکھوں گی۔ اپنے سر پر

نہیں پڑنے دوں گی۔ جو ڈرتے ہیں وہ زندگی نہیں

گزارتے فریال! وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے بنائی

گئی دونوں میں خود کو جلاتے ہیں۔ یاد رکھنا فریال! عظم کا

ہر باب، ہم خود اپنے لیے لکھتے ہیں۔“

فریال صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”میرا دوسرا شوہر انسان ہے۔ میں نے اپنی زندگی

سے اس جانور کو نکال دیا۔ اب میں خوش ہوں اس دنیا

میں برے بھی ملتے ہیں اور اچھے بھی۔“

”میں آذر سے اس کا باب نہیں چھین سکتی۔ تم

جاتی ہو بروکن فیملیز کے بچے کیسے ہوتے ہیں۔“

”بروکن فیملیز کے بچے جیسے بھی ہوتے ہیں وہ

مجھے منہ نہیں لگاتی۔“ غصے اور توہین کے احساس سے فریال کا منہ سرخ ہو گیا۔ اس نے جھٹک لیا کہ ہر وہ چیز اس پر پھینکی شوق کروی جو اس کے ہاتھ آئی۔ اس سے پہلے وہ صرف خود کو بچاتی تھی۔ آج پہلی بار اس نے مدافعت کی کوشش کی۔

”مجھے ہاتھ لگا کر کھانا اور اب تو۔“

پندرہ منٹ کے اندر اندر پولیس نادور کو لے گئی۔

”بھاگ جا آؤ۔ اس عورت کے شر سے نجات حاصل کر لے۔“ پولیس کے آنے کے باوجود وہ زخمی

کتے کی طرح بھونک رہا تھا۔

”یہ تیرے ساتھ بھی یہی کرے گی جو میرے ساتھ

کیا۔“

آزور جھکیوں سے دو رہا تھا۔ فریال نے اسے اندر

کرے میں لے جانے کی کوشش کی، مگر وہ اپنی جگہ

سے کس سے مس نہیں ہوا۔

وہ آخری منظر تھا جو آزور نے دیکھا اور وہ آخری بار

تھی جو فریال نے اس دن کھائی۔ گوگی کی مدد سے اس

نے طلاق بھی لے لی۔

اس کا خیال تھا کہ نادور اسے تنگ کرے گا، مگر ایسا

نہیں ہوا۔ ویسے بھی کورٹ کے آرڈر کی وجہ سے اسے

فریال سے ایک ہزار گزر دروہی رہنا تھا۔ فریال نے

اپنے گھر والوں کو سب کچھ بتا دیا۔ صرف ایک آؤر تھا

جو سب کچھ نہیں جانتا تھا۔ آؤر تو وہ جانتا تھا جو اس کے

پیالے سے بتایا کرتے تھے۔

”تمہاری ماما کا کرنے نہیں جاتی۔ اپنے دوستوں

کے ساتھ گھومنے جاتی ہے۔“

آخری بات جو اسے معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ماما اپنا

دوست گھر لے آئی تھیں جس پر پیالہ ناراض ہو گئے اور

ماما نے پولیس کو بلا لیا۔

آزور نادور کو یاد کر کے بہت روتا تھا۔ روتی وہ بھی تھی

اس سے اپنے بیٹے کا روناد کھانا نہیں جاتا تھا۔ پھر آؤر

اپنے خول میں بند ہوتا چلا گیا۔ بہت ضرورت کے

وقت ہی وہ فریال سے بات کرتا۔ وہ بہت بد مزاج اور

چڑچڑاہو گیا۔

میں چاہتی ہوں نادور آؤر سے ملنے آجایا کرے، لیکن میرے پاس نادور کا کوئی آنا پناہی نہیں ہے۔ کیسے رابطہ کروں اس سے؟

”انتہائی پیار ہونا اسے آؤر سے تو خود آکر ملتا۔“

”آؤر بہت اداس رہتا ہے نادور کے لیے۔ بہت

روتا ہے۔“

آج کا روناد کل کے رونے سے اچھا ہے۔

”آؤر کو یہ کیسے سمجھاؤں۔“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”مجھے تو بات ہی نہیں کرتا۔“

”بچہ ہے، سمجھ جائے گا۔“ گوگی نے تسلی دی۔

گزرے وقت نے آؤر کی ناپسندیدگی کو اس پر ظاہر

کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے چھوٹے بڑے سارے کام

خود ہی کرتا تھا۔ اپنے لیے کھانا خود بناتا تھا۔ اس کے

بنائے ہوئے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا۔ وہ اس

سے کچھ نہیں کھاتا تھا، مگر اس کی آنکھیں بہت کچھ کہتی

تھیں۔

”تمہارے ماموں آرہے ہیں آؤر!“ اس دن وہ

بہت خوش تھی۔ پہلے تو اس نے ایسے ظاہر کیا جیسے سنا

ہی نہیں، پھر کمرے کی طرف جاتے جاتے رک کر پلٹا۔

”پیلا ٹھیک کہتے تھے۔ جو عورت اپنے خاندان کو

پالتی ہے وہ اپنی اولاد کو دیتی ہے۔“

آؤر کی اس بات نے اسے سن سا کر دیا۔ اسے اپنے

باپ کی کئی باتیں یاد تھیں۔

آہستہ آہستہ آؤر نے ضرورت کے لیے اس سے

پیسے لینے بھی بند کر دیے تھے۔ وہ جو کچھ اس کے لیے

خرید کر لاتی وہ ایک نظر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

”مجھے لگتا ہے وہ نادور سے ملتا ہے باہر نہیں۔“

”شاید۔ اس کا یہ رویہ بلا وجہ نہیں۔“ فریال بہت

پریشان تھی۔

”لیکن نادور کا تو کچھ آنا پناہی نہیں کہ کہاں ہے۔“

”ہو سکتا ہے آؤر نے اسے ڈھونڈ نکالا ہو۔“ فریال

یہ سن کر گہری تشویش میں مبتلا ہو گئی۔

”آؤر! تم اپنے پیالے سے ملے کبھی؟“ فریال نے پیار

سے ہی پوچھا تھا۔

”دل لیتا۔ اگر آپ نے ملنے کے لائق چھوڑا ہوتا۔“ آؤر نے نفرت سے کہا۔ ”آپ کی وجہ سے ان کی اتنی بدنامی ہوئی کہ انہوں نے یہ شہر ہی چھوڑ دیا۔“

آپ نے انہیں جیل بھیج دیا۔ وہ شاید پتا کر رہا تھا نادور

کا۔

”وہ مجھے مار دیتا۔ تب تم خوش ہوتے؟“ اس نے

دکھ سے آؤر کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے بھی بہت بار جتا چکا

تھا آؤر کا جیل جانا۔

”جبری عورتوں کو مار ہی دینا چاہیے۔“ آؤر نے اتنی

سفاکی سے کہا کہ وہ اپنا دل تمام کر رہ گئی۔

”میں تمہاری ماں ہوں آؤر! کیا غلط کیا ہے میں نے

آج تک؟“

”کیا غلط کیا تھا پیلا! نے آپ کو روکتی تھی تھے نا۔

دن رات آپ باہر رہتی تھیں، اپنے دوستوں کے

ساتھ۔“

”آپ تم اتنے بھی بچے نہیں ہو کہ یہ جان نہ سکو کہ

تمہاری ماں دوست رکھنے کی شوقین نہیں ہے۔“

”اور وہ صدمہ بھی آتا ہے؟“

”نکل کو انہیں۔ بھائی ہے وہ میرا۔ ہر برے

وقت میں مدد کی ہے اس نے میری۔“

”ہو نہ ہو بھائی۔ بچہ نہیں ہوں میں۔“

آؤر کے اس رویے سے وہ اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ

اس کے دل میں درد رہنے لگا۔ ڈاکٹر نے اسے اپنا خیال

رکھنے کو کہا۔ گوگی نے آؤر کو بہت سمجھایا۔ ماضی کی

بہت سی باتیں بتائیں، لیکن جیسے وہ سننا نہیں چاہتا تھا۔

اس پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔

اٹھارہ سال کا ہوتی ہی اس نے گھر چھوڑ دیا۔ شاید

گھر چھوڑنے کے جن انتظامات میں وہ لگا ہوا تھا، وہ

ہو چکے تھے۔ اپنے لیے کسی اور جگہ انتظام کر چکنے کے

بعد اس نے گھر چھوڑ دیا۔ فریال کے نام اس نے ایک

چٹ تنک لکھنا گوارا نہیں کی۔

چند دن پہلے جب وہ گھر آیا تو نادور کی طرح ہی اس

نے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکی شروع کر دیں۔

”آج پیلا کو دیکھا میں نے۔“ وہ نفرت سے فریال کو

دیکھ کر بلا۔ ”پی بیوی اور بیٹی کے ساتھ بہت خوش نظر

کرتے تھے۔ انہیں خوش ہونا ہی چاہیے تھا۔ ان کی

دوسری بیوی پہلی بیوی فریال جیسی جو نہیں ہے۔“

اس دن اسے معلوم ہوا کہ کوئی بھی فریال جیسا

نہیں۔ سب نادور جیسے ہی تھے۔

اور پھر آؤر چلا گیا۔ اور دوبارہ اس سے کبھی نہیں

فریال نے اپنا ہر ذریعہ استعمال کر لیا، مگر وہ نہیں ملا۔

شام ہونے لگی تھی۔ چار کب کے بج چکے تھے۔

اسکاٹ لینڈ سے ٹرین بہت پہلے آچکی تھی۔ مگر آؤر

نہیں آیا تھا۔ آؤر بیٹھ میں کہیں بھی نہیں تھا۔ خود کو

سنبھاتی وہ لوگوں کے رش میں چلنے لگی۔ کاؤنٹر پر آکر

اس نے ٹرین کا پوچھا، پھر آؤر کا نام بتایا۔

”کیا اس نے میرے لیے کوئی پیغام چھوڑا ہے۔“

کاؤنٹر میں فریال کی شکل دیکھنے لگا۔ ٹرینیں آجاری

تھیں، مگر آؤر نہیں آیا۔ اس نے ٹائمر کو فون کیا۔

”آئی! آؤر لندن میں ہی ہے۔ وہ آپ کو نہیں ملا؟

کچھ دیر پہلے ہی اس نے مجھے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ

لندن پہنچ چکا ہے۔ وہ نظر نہیں آیا آپ کو؟“

”نہیں۔“ فریال نے اپنی جگہ دبا کر کہا۔

”میں آؤر کو فون کرتی ہوں، پھر آپ کو بتاتی

ہوں۔“

فریال نے بمشکل چند منٹ انتظار کیا، پھر فون کیا۔

فون مصروف تھا۔ پانچ منٹ بعد، سات منٹ، دس،

پندرہ۔ وہ مسلسل فون کیے جا رہی تھی۔

”آئی! وہ لندن ہی میں ہے۔ میرے اصرار پر بھی

مجھے کچھ نہیں بتایا کہ کہاں ہے۔ بہت جلدی میں

تھا۔“

”مجھے تو اسٹیشن پر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ کیسے

یہاں آ گیا؟“

”وہ جہاز سے۔“

”تم نے تو کہا تھا وہ ٹرین سے آ رہا ہے؟“ انہیں دکھ

سے زیادہ مایوسی ہوئی۔ وہ ایر پورٹ پر اس کا انتظار

کر رہی۔

”یقین کیجئے! آذر نے مجھے یہی بتایا تھا۔ شاید کسی مسئلہ کی وجہ سے اسے جہاز سے اتار دیا ہو۔“

اس نے بے دلی سے فون کو کوٹ کی جیب میں رکھا اور بے دم ہی ایک طرف چلنے لگی۔ کس طرف اسے نہیں معلوم تھا۔ معلوم کر کے کرنا بھی کیا تھا۔ لندن سینٹرل اسٹیشن کی بیچڑ میں وہ تنہا ہی ہو گئی۔

کیسا لگتا ہے منزل کے بغیر سفر کرنا۔ سفر بھی دکھ اور تکلیف سے بھرا۔ اس نے بھی وہی سفر کیا تھا۔

”تم نہیں آئے نا آذر!“ چلتے چلتے وہ پوچھنے لگی۔

ایک عرصہ ہوا وہ خود سے اور آذر سے آہنی آواز میں باتیں کرنے لگی تھی۔

”تم سے ایک بار ملنے کے لیے میں جنم کی آگ میں کود سکتی ہوں، لیکن تم تو نادر ہی بن گئے۔ میرا بیٹا نادر کا بیٹا بن گیا۔ آذر میرا بیٹا۔“

وہ رونے لگی۔ آنسو اس کے لالنگ کوٹ کے کالر میں جذب ہونے لگے۔

”تم تو ملے نہیں، کاش! آج مجھے موت مل جائے۔ اگر تم کسی کو نے سے لپک کر میری طرف نہ آؤ تو موت آجائے۔“ وہ اسٹیشن کی حدود سے باہر اب سڑک پر تھی۔ گھر جانے کے لیے اسے بس میں چالیس منٹ کا سفر کرنا پڑا تھا۔ وہ پیدل ہی سمت کا تعین کیے بغیر چلنے لگی۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ اس نے سب سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کمزوری اور تھکتاہٹ سے زیادہ اسے صدمے نے بڑھال کر دیا تھا۔ اس کا بچپن سالہ بیٹا اس ماں سے ملنا نہیں چاہتا تھا، جس نے اٹھائیس سال اپنے پیاروں سے دور صرف اس کے لیے یہاں اکیلے گزار دیے تھے۔ کیسا لگتا ہے۔ اٹھائیس سال کی ریاضت اور دکھ کے بعد ناکام ہونا۔

ساری محنت محبت اور ایمان داری کے بعد ناکام ہونا۔ وہ مین روڈ پر بنی ان دکانوں کے آگے سے گزر رہی تھی جن میں لوگ خوش خوشی چیریں خرید رہے تھے۔ کاش لوہ بھی آذر کیس سے خرید سکتی۔

لندن شہر جگمگا رہا تھا اور اس کی آنکھیں بھی۔ قریب سے گزرنے والے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ

بچکوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ نومبر کی سرداوتوں کے گرم آنسو۔

☆ ☆ ☆

”میری ٹیسٹ رپورٹ پر سائن آپ نے کیے ہیں؟“ آذر اس وقت نوپس جماعت کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ بچپن میں کام کر رہی تھی جب وہ روانہ نور سے ہنر کر کے اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ خود سے تو وہ اپنی ڈائری، رپورٹس، نوٹس دکھانا نہیں تھا اسے۔ وہ خود ہی بیک چیک کرتی رہتی تھی۔

”ہاں۔“

”کیا میں نے آپ سے کہا تھا سائن کرنے کے لیے؟“

”تمہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہاں میرے ہی سائن ہونے تھے۔“

”یہاں میرے ڈیڈ کے سائن ہونے تھے۔“

”سائن میں ہی کرتی رہی ہوں۔“

”آپ تو بہت کچھ کرتی رہی ہیں۔ تب میں بچہ تھا۔ اب نہیں۔“

”کھلی کرتی رہی ہوں میں۔“ آذر نے اپنی رپورٹ بھاڑ کر پھینک دی۔

”میری کسی چیز کو ہاتھ مت لگایا کریں۔“

”تمہیں معلوم ہے آذر! تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟“ اپنی ماں کے ساتھ۔

”آپ کو معلوم ہے آپ نے کیا کیا، میرے اور ڈیڈ کے ساتھ؟“

”کیا کیا ساتھ۔“

”آپ نے ہر وہ کام کیا جس سے ڈیڈ نے آپ کو منع کیا۔“

”اس نے کبھی مجھے پیسے کا گھر چلانے اور تمہیں پالنے سے تو منع نہیں کیا۔“

”پیسے آپ اپنے گھر والوں کے لیے کماتی تھیں۔ جن عورتوں کے دل اپنے گھروں میں نہیں لگتے وہ ساری دنیا کو اپنا لے رہی ہیں۔“

”کیسے ہی زندگی گزار رہی ہوں۔ کون ہے جسے اپنا لے؟“

”مجھ سے اپنی ذاتیات کی تفصیل مت پوچھو۔ میں گناہ گار عورت کے گناہوں پر بات کرنا نہیں چاہتا۔“

”جس عورت نے مردوں کی طرح حلال رزق کمایا۔ اپنے بیٹے کے لیے اکیلے زندگی گزار دی۔ وہ گناہ گار ہے؟“

”آپ کو شوق تھا سنگل ہونے کا۔ آزاد رہنے کا۔“

”آزاد رہنے کا نہیں، مار پیٹ سے بچنے کا شوق تھا۔“

”برے کاموں سے کوئی آپ کو روکے بھی نا؟“ آذر کے پاس ہر سوال کا جواب تھا۔

”کوئی ٹھیک کہتی تھی۔ نادر تمہارے اندر زہر بھر رہا ہے۔“

”ذرا آپ سے ٹھیک کہتی ہے۔ آپ کو ٹھیک نہیں کہتی۔“ آذر نے زہر میں بجھا طے کیا۔ وہ طنز کرتا تھا اور طنز بھری نظروں سے اسے دیکھتا بھی رہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

”تم اسے لے کر پاکستان چلی جاؤ۔“ لوگی نے مشورہ دیا۔

”کس کے پاس۔ اپنے ماموں، نانا، مانی سے وہ ملے بغیر ہی اتنی نفرت کرتا ہے۔ اسے بس نادر چاہیے۔“

”تو بیچ دو اسے نادر کے پاس۔ چار دن رہے گا اس کے پاس تو سب سمجھ جائے گا۔“

نادر کہیں ملتا تو وہ کچھ کرتی۔ بیوی کے نام پر وہ ماں بنی اور ماں کے نام پر گناہ گار۔

”آذر مجھے نادر کی نظروں سے دیکھتا ہے لوگی! تنفر اور حقارت سے۔ مجھ جیسی ماں سے پوچھو، اولاد کی نفرت کا دکھ۔“ پہلے باپ مارتا تھا۔ اب بیٹا لفظوں کی مار مارتا ہے۔

”لوگی کے سامنے وہ کھل کر رونے لگی۔

”یہ سب تمہاری کمزوریوں کا نتیجہ ہے فریال! عورت میں اتنی ہمت تو ہونی چاہیے کہ وہ گڑی بات کو

سنوار سکے۔ آخر تم کب اپنے ڈر اور خوف سے تجھٹ حاصل کرو گی؟“

”ساری عمر ڈرتی رہی ہوں سب سے۔ پہلے اپنے باپ سے، پھر شوہر سے، پھر طلاق سے۔ اب آذر سے، اس کی نفرت سے اس کی حقارت سے۔“

”جہاں ڈرنا سیکھا ہے، کچھ اور بھی سیکھ لو۔ تمہیں کوئی ہرا نہیں سکتا۔ تم خود رتی ہو۔“

چلتے چلتے جب وہ ٹھک گئی تو ایک پارک میں آکر بیٹھ گئی۔ پارک میں اکا دکا لوگ ہی تھے نومبر کی سردی میں لوگ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے ایسے گھر جہاں بچوں کا پیار ہوتا ہے اور ماں باپ کا احترام۔

☆ ☆ ☆

آذر سولہ سال کا ہوا تو فریال سے چھوٹا بھائی نعمان لندن پڑھنے اور کام کرنے کے لیے آیا۔ وہ اسٹوڈنٹ ویز پر آیا تھا۔ نعمان اپنی رپورٹ سے فریال کے گھر ہی آیا تھا۔ فریال نعمان کے آنے پر بہت خوش تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد وہ کسی سے ملنے والی تھی۔ کسی اپنے سے۔ لیکن آذر کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ وہ کھیلنے کے بعد باہر سے آیا تو اتنی نفرت سے نعمان کی طرف دیکھا کہ وہ اٹھ کر اسے پیار بھی نہیں کر سکا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے اپنے کمرے کی چیزیں بھینکی شروع کر دیں۔ نعمان سب سمجھ گیا۔ فریال گہری سانس لے کر رہ گئی۔

”یہ مغرب ہے۔ یہاں کے بچے۔“ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

”وجہ مشرق مغرب نہیں ہے آپنی!“ وہ بھی اتنا ہی کہہ سکا۔

نعمان فریال کے ساتھ ہی رہنے آیا تھا اور فریال بھی اسے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتی تھی مگر وہ ایسا کیسے کرتی۔

”یہ شخص دو بارہ اس گھر میں نہیں آئے گا۔“ نعمان کے جاتے ہی آذر چلائے لگا۔

”وہ تمہارے ماموں ہیں۔“ اس نے محل سے کہا۔

”وہ صرف آپ کا بھائی ہے۔“ اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔

نعمان، آذر کی موجودگی میں پھر نہیں آیا۔ ویسے بھی وہ رات دن کام کرتا تھا۔ اسے اپنی دو بہنوں کی شادی کرنی تھی وہ اتنا مضبوط ہونا چاہتا تھا کہ پھر اس کی کسی بہن کو نادر نہ مل سکے۔

گزرتے وقت نے فریال کے لیے کچھ نہیں بدلا۔ خوشی کا کوئی لمحہ اسے نصیب نہیں ہوا۔ جاتے ہوئے آذر اپنے کمرے میں ٹکی نادر کی تصویر لے کر گیا بس۔

تین دن اسپتال میں رہ کر گوگی اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ اس کے ہر ملنے جلنے والے نے آذر کو ڈھونڈنا چاہا مگر وہ نہیں ملا۔

اپنے فارغ وقت میں نعمان بھی کام کرتا تھا۔ سارا لندن، سارا برطانیہ کنگل ڈالا مگر آذر نہیں ملا۔ فریال کی بگڑتی جسمانی اور ذہنی حالت کی وجہ سے نعمان، فریال کے ساتھ رہنے لگا۔

”ایک بار آذر کو لے آؤ۔ اس سے کہو مجھ سے نفرت ہی رکھے مگر میرے سامنے رہے۔ اس کی ماں اس کے بغیر مرجائے گی۔“

وہ ہر وقت تڑپتی رہتی۔ ہر ایک کے سامنے روتی رہتی۔ نعمان چاہتا تھا کہ وہ پاکستان چلی جائے مگر وہ نہیں جاتی تھی۔

”میں خالی ہاتھ رہ گئی۔ نادر سب لے گیا۔“ نادر نام کا ”جیوان“ اس کا سب کچھ کھا گیا۔

اگر گوگی اور نعمان نہ ہوتے تو شاید وہ خود کشی کر لیتی۔ اس نے جب چھوڑ دی۔ سارا وقت وہ آذر کو ہی نہ جانے کہاں کہاں تلاش کرتی رہتی نہ جانے کہاں کہاں کن لوگوں سے ملتی۔ پھر وہ ایک سیاہ فام گروپ سے ملی جو آذر کو تلاش کرنے کے لیے تیار تھا، مگر وہ اتنے زیادہ پیسے مانگ رہے تھے کہ اس کے بینک اکاؤنٹ میں رکھے تھوڑے سے پیسوں سمیت گھر کی ہر چیز بیک جاتی تو بھی وہ رقم ادا نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے دوبارہ ڈبل جاب شروع کر دی۔ ہفتہ کا توڑ دوسری جاب۔ اس نے ایک ایک پاونڈ بچانا شروع کر دیا۔ انتہائی ضرورت کے علاوہ پیسہ خرچ کرنا بند کر دیا۔ ڈاکٹر کے تجویز کردہ سپریم، فوڈ پلیٹ، کبھی کبھار کے لیے جانے والے کپڑے، جوتے وہ صرف تین وقت کے ساتھ کھانے پر آئی۔

ایک عرصہ لگا فریال کو ایڈوائس کی رقم جمع کرنے میں گوگی سے بھی اودھار لیا۔ نعمان سے بھی پیسے لیے گھر کا کچھ سامان بیچ کر حاصل شدہ رقم شامل کی۔ ایڈوائس لینے کے تین ماہ بعد فریال کو آذر کے بارے میں معلومات ملنے لگیں۔

لندن سے وہ سیدھا فرانس گیا تھا۔ فرانس کی یونیورسٹی سے دو سالہ ڈگری لینے کے بعد اس نے وہیں کسی کمپنی میں ڈیڑھ سال تک جاب کی۔ پھر وہ سویڈن چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد وہاں سے بھی چلا گیا۔ کہاں چلا گیا وہ معلوم کر رہے تھے اور ظاہر ہے یہ معلومات حاصل کر کے ”اب وہ کہاں ہے“ کی معلومات فریال کو مکمل رقم کی ادائیگی کے بعد ہی ملنی تھی۔

نعمان اور گوگی کا خیال تھا کہ وہ اپنی رقم ضائع کر رہی ہے، ان لوگوں کو دے کر وہ لوگ اسے الوبتا رہے ہیں۔

”بننے دو مجھے الوصال بن گئی ہوں۔ اب دیکھنا! کیا کیا نہیں بنتی۔“

اس کی صحت دن بدن گرتی ہی جا رہی تھی۔ اسے اتنا زیادہ کام کرنا پڑتا تھا۔ نعمان نہیں چاہتا تھا کہ وہ جاب کرے مگر وہ اپنی ہی نہیں تھی۔

”آپ! آپ نے اپنا آپ برباد کر لیا ہے۔ بس کریں اب۔“

”آذر کے ملنے تک مجھے اور کر لینے دو۔ میں اس سے ملے بغیر نہیں مروں گی۔ وہ میری جمع پونجی ہے۔ ایسے کیسے اسے میں دنیا میں پاؤں دوں۔“

جب فریال نے مکمل ادائیگی کر دی تو چند ہفتوں میں ہی انہوں نے بھی مکمل معلومات دے دیں۔

وہ جرمنی میں تھا اپنی بیوی ثانیہ اور ایک آٹھ ماہ کی

بچی نمل کے ساتھ وہاں وہ ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ اسے فون نمبر اور گھر کا ایڈریس دونوں دیے گئے۔ فون نمبر اور ایڈریس ملتے ہی وہ اپنا دل تھام کر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آذر مل چکا ہے۔

چھ سال اور چند ماہ بعد آذر اسے مل چکا تھا۔ اس نے پہلے فون کیا۔ یہ گھر کا نمبر تھا۔

”تمہاری ماں۔“ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

”میری کوئی ماں نہیں۔“ گنتے سالوں بعد بھی آذر نہیں بدلتا تھا۔

آذر فون بند کر چکا تھا۔ ساری رات اٹکلا سارا دن وہ فون پر فون کرتی رہی مگر اس نے پھر فون نہیں اٹھایا۔

فریال کے پاس مزید ایک پاونڈ نہیں تھا کہ وہ جرمنی جاسکتی۔ وہ سب سے اودھار لے چکی تھی، نعمان، فریال کو انکار نہیں کرتا تھا مگر اس نے اپنا سب کچھ اور وہ نمونہ شادیوں پر لگا دیا تھا۔ چند ماہ پہلے اس نے سلوگی سے برطانیہ کی ہی ایک پاکستانی نژاد لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔ وہ فریال کے سامنے والے فلیٹ میں رہتا تھا جو کچھ تھا فریال کے سامنے ہی تھا۔ اس نے فریال سے کچھ چھپا کر الگ نہیں رکھا تھا۔ وہ نعمان کے سامنے روئے لگی۔

”کسی بھی طرح مجھے جرمنی بھیج دو اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال تو نہیں دے گا نا۔ پھر تو اسے مجھ سے ملنا ہی پڑے گا۔“ فریال نے ٹھوس دلیل دی۔

نعمان نے اپنا سب کچھ نکال کر اپنی بہن کے سامنے رکھ دیا۔ اپنی گھڑی، الپ ٹاپ، اپنی بیوی کے گولڈے ائیر رنگز، جو جو کچھ بک سکتا تھا سب۔

نعمان اس کے جرمنی جانے کا انتظار کرنے لگا۔ اس دوران وہ مسلسل اس کے گھر فون کرتی رہی۔ اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیا جاتا۔ ایک دن ثانیہ فون اٹھایا۔

”آذر نے کبھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔ وہ سختی سے مجھے منع کرتا ہے آپ سے متعلق کوئی بھی بات کرنے سے۔“ وہ نرمی اور تحمل سے فریال سے مخاطب تھی۔

فریال نے رور کو ثانیہ کو اپنی زندگی کے واقعات

سنائے اس نے یقین کیا یا نہیں مگر وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

”آپ کی وجہ سے وہ یہ گھر شفٹ کر رہا ہے آئی۔“

”کب؟“ فریال کو لگا، آذر ایک بار پھر سے گم ہونے جا رہا ہے۔

”آج کل میں۔“

”میں جرمنی آرہی ہوں ثانیہ۔“

”میں بھی مت آئیں آئی۔ میں کوشش کرتی ہوں آذر کو منانے کی اور سمجھانے کی۔ اس وقت تک تھوڑا انتظار کر لیں۔“

”کتنا انتظار اور ثانیہ۔“ وہ رونے لگی۔ ”کر سکتی تو کر لیتی۔“

”وہ میری کوئی بات نہیں سنتا آئی۔ آپ یہاں آئیں تو ماں ہوں گی۔ دیکھی تھی۔“

دیکھی تو وہ اور ہوئی گئی تھی۔ آذر گھر شفٹ کر چکا تھا۔ ثانیہ کو اس نے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ فریال سے بات نہیں کرے گی، پھر بھی کبھی کبھار ثانیہ چپکے سے فریال کو فون کر لیتی تھی۔

اور آج تین ماہ بعد اس نے ہی فون کر کے آذر کے لندن آنے کا بتایا تھا۔ جرمنی سے دو دن پہلے وہ اسکاٹ لینڈ آیا تھا۔ آج اسے لندن آنا تھا۔

وہ لندن آیا مگر اس سے نہیں ملا۔

شام رات میں ڈھل چکی تھی۔ وہ پارک میں ایک ہی انداز سے بت بنی بیٹھی تھی۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں کو رگڑتی ہوئی اٹھی اور پارک سے باہر آئی۔ وہ ڈگر باہر تھی۔ اس کا دکھ اور تکلیف آج بے حد بڑھ چکی تھی۔ اتنی کہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ فٹ ہاتھ کے ساتھ ساتھ چلتے وہ ایک دم سے سڑک پر گر گئی۔ اس پاس چلنے والے لپک کر اس کے قریب آئے۔ کھوکھوں کے عجیب انداز ہوتے ہیں۔ وہ آپ کو تھس تھس کر دیتے ہیں۔

آذر کو آفس کے کام سے اسکاٹ لینڈ بھیجا گیا تھا۔

برطانیہ سے باہر رہ کر بھی اس نے پیشہ نادر کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے کچھ خبریں ملیں کہ وہ پاکستان جا چکا ہے۔ اس نے وہاں بھی معلوم کروانا چاہا مگر ناکام رہا۔ اسے نادر کی دوسری بیوی کے بارے میں کچھ معلومات ملی تھیں کہ وہ لندن میں ہی ہے۔ اس نے قیاس لگایا کہ اگر وہ لندن میں ہیں تو نادر بھی ہوگا۔

لندن آکر اسے کچھ وقت لگا کر ڈھونڈنے میں مگر اسے مل ہی گیا۔ وہ ایک بڑا اور شاندار گھر تھا۔ اس کے ڈیڑھ گھر کا گھر، اس کا گھر جس کے لیے وہ رونا رہا تھا۔ جس کا اس نے پاگلوں کی طرح انتظار کیا تھا۔ گھبرائے ہوئے انداز میں اس نے بتل جانی۔

خوب صورت اور اسماٹ سی عورت دروازے پر آئی۔ اس نے صرف مسکرا کر سوالیہ شکل بنائی۔ یہ وہی عورت تھی جسے آذر نے نادر کے ساتھ شاپنگ سینٹر میں دیکھا تھا۔ جب تک وہ بھاگ کر فرسٹ فلور سے گراؤنڈ فلور تک آیا۔ وہ اس کی نظروں سے گم ہو چکے تھے۔ اسے پھر کبھی نادر نظر نہیں آیا۔

”میں آذر ہوں۔“ آذر گھبرایا۔ ”پاپا ہیں؟“ اسے یقین تھا پاپا کی بیوی اسے ضرور جانتی ہوں گی۔ ”کون پاپا؟“ وہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔ ”نادر بھال۔“ آذر بھی مسکرایا۔ خاتون کی مسکراہٹ خائبہ ہو گئی۔

”وہ یہاں کیوں ہوگا؟“ اس بار وہ مسکرائی نہیں مگر جواب محل سے ہی دیا۔

”آپ ان کی بیوی۔“ آذر تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ ”تھی۔ ایک عرصہ ہوا ہماری طلاق ہو گئی۔“ آذر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ طلاق پر افسوس کرے یا نادر کا پوچھے۔ ”اور ڈیڈے؟“

”اندر آجاؤ۔“ وہ اسے اندر لے آئی۔ گزرتے ہوئے آذر نے لاؤنج میں دو کم سن لڑکا لڑکی کو فلم دیکھتے دیکھا۔

”تم اس کے کون سے بیٹے ہو؟“ سوال تھا یا

اقرار۔ آذر سمجھا نہیں۔

”کون سے؟“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں! بس بیوی کے کون سے بیٹے؟“

”پہلی بیوی کا پہلا بیٹا! میں ان کا ایک ہی بیٹا ہوں۔ آپ کے بچوں کے علاوہ۔“

”تمہیں یقین ہے کہ تم اس کے اکلوتے بیٹے ہو۔ میری ایک بیٹی کے علاوہ۔“

”جی۔“ آذر نے ساتھ سر بھی ہلایا۔

”اور تمہیں یقین ہے کہ تم اس کی پہلی بیوی سے ہو؟“ آذر کو غصہ آگیا۔

”میں فریال کا بیٹا ہوں۔ وہ ان کی پہلی بیوی تھیں اور آپ دوسری۔“

”میں اس کی آنکھیں بیوی تھی آذر۔“ وہ تحمل سے بولی۔

اس طرح کے صدمے سے آذر پہلی بار دو چار ہوا تھا۔ اسے سامنے بیٹھی عورت کی عقل پر کمان ہوا۔

”اب بتاؤ اپنی بدکردار کمر؟“

آذر ایسے خاموش ہو گیا تھا جیسے نہ کچھ بولے گا نہ پوچھے گا۔

سوال اتنی تکلیف دیتے ہیں۔ جواب اتنا غضب ڈھالتے ہیں۔

”میں نے ایک دو بار نام سنا تھا فریال کا۔ شاید وہ تیری بیوی تھی نادر کی۔“ وہ خود سے بتانے لگی۔

”وہ کہاں ہیں؟ کس بیوی کے گھر؟“ آذر کو یہی سوال مناسب لگا۔

”گھر؟“ وہ حیران ہوئی ”وہ حکومت کے گھر میں۔ جیل میں ہے اتنا بڑا صدمہ۔ آذر کا سر گھوم گیا۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔

وہ دانستہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ آذر کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کی جذباتی حالت ٹھیک نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ کالی لے کر آئی۔

”جب میں نے اس کے ساتھ شادی کی تھی اس وقت میں بھی اس کی پہلی بیوی ہی تھی۔ پہلی سے شاید نادر کا مطلب تھا، پہلی برطانوی شہری خاتون۔ باقی سب

پاکستانی تھیں۔ اس وقت میرا ایک سو پانچ سال کا بیٹا تھا۔ دو سال پہلے ہی میں بیوہ ہوئی تھی۔ مجھے وہ اچھا لگا تھا۔ وہ روزانہ میرے ریٹورنٹ آتا تھا۔ میرا اپنا گھر تھا۔ ریٹورنٹ تھا۔ مجھے صرف ایک شوہر ہی چاہیے تھا۔

لیکن اسے صرف ایک بیوی نہیں چاہیے تھی۔ اسے بیویوں کی مشین چاہیے تھی۔ نہ جانے کیسے میں اس کے جال میں آ گئی۔ اتنا عیاش اور بے غیرت انسان میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ ریٹورنٹ کے اکاؤنٹ میں ہیر پھیر کرتا تھا۔ پوچھا تو مجھ پر ہاتھ اٹھالیا۔

اصلیت سامنے آنے لگی تھی اس کی۔ میں نے مزید معلومات کروائیں تو مجھے اس کے ایک اور گھر کا پتا چلا

جہاں وہ اپنی ساتویں بیوی کو بیاہ کر لایا تھا اور جسے وہ جانوروں کی طرح مارا تھا۔ تنزیلہ کچھ بڑھی لکھی بھی تھی اور سمجھ دار بھی۔ ہم دونوں کو زیادہ وقت نہیں لگا

نادر کی اصلیت کا پتا لگانے میں۔

وہ پاکستان سے لڑکیاں بیوی بنا کر لاتا تھا۔ یہاں ان سے رات دن کام کروانا تھا اور ان کے سارے بیٹے اپنے پاس رکھتا تھا۔ لڑکیاں کم بڑھی لکھی ہوتی تھیں۔

جنہیں ٹھیک سے اپنا پاسپورٹ بھی پڑھنا نہیں آتا تھا۔ پولیس کے پکڑنے سے پہلے ہی نادر بیرون ملک بھاگ گیا۔ اپنی بیویوں کو ماں تو وہ بننے ہی نہیں دیتا تھا۔

پھر بھی وہ چار بچوں کا باپ بن گیا۔ ان میں سے ایک میری بیٹی بھی ہے۔

اس دوران فریال کا نام سننے میں بھی آیا تھا مگر فریال سے ملاقات نہیں ہو سکی۔

”فریال۔!“ آذر کے دل و دماغ میں یہ نام گونجنے لگا۔

”اس پر شادی کے نام پر لڑکیوں کو ایکسپورٹ کرنے کا ہی الزام نہیں۔ وہ ڈرگ سلاٹر بھی تھا۔ خدا نے صرف شکل ہی اچھی دی تھی ورنہ کوئی اس پر تھوکتا بھی پسند نہ کرے۔“

آذر نے پسند کیا تھا اسے چاہنا۔ اور اپنی ماں کو دھتکارنا۔ اتنے سال وہ فریال نامی عورت سے نفرت کرتا رہا۔

”کچھ عرصہ پہلے مجھے خبر ملی کہ وہ امریکا کی کسی جیل میں ڈرگ کے کسی کیس میں عرصے سے قید کاٹ رہا ہے۔ کیس کوئی بھی ہو، سزا وہ ظلم کی بجھت رہا ہے۔ اپنے گناہوں کی۔“

”اور فریال نے کس جرم کی سزا بھگتی؟“ اس کا دماغ الٹ پلٹ ہونے لگا۔

”میں چند ماہ پہلے ہی لندن شفٹ ہوئی ہوں، بیٹے کی یونیورسٹی کی وجہ سے۔ ورنہ اس شہر سے میری بہت رخ یادیں وابستہ ہیں۔ خاص کر وہ پہلی مار جو میں نے نادر کے ہاتھوں کھائی۔“

”صرف ایک بار مار۔“ آذر نے سوچا۔ اور یہ سب کچھ اس نے بہت دیر سے سوچا۔

”کس کے لیے کھائی مار۔ جبکہ میں اس کی ایک پائی کی بھی محتاج نہیں تھی۔ اس کے جوتے کھانے کے لیے پیدا نہیں ہوئی تھی میں۔ میں تمہارے لیے اس کی مار بھی کھاتی آؤں! اگر وہ تمہارا ذہنی سکون نہ چھین رہا ہو تو۔ میں کھاتی رہتی وہ مار بھی۔“

آذر کو فریال کی بات یاد آئی۔ آذر نے غم آنکھوں سے سامنے بیٹھی خاتون کو دیکھا۔ وہ ابھی بھی خوب صورت اور بر سکون نظر آ رہی تھی۔ مگر اس کی ماں وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو چکی تھی۔

”ہائے۔ ہائے!“ وہ سات سال کا تھا جب فریال

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے آسیر سلیم قریشی کے 3 دگلش ناول

کتاب کا نام		قیمت
وہ چٹیلی دی ویلانی سی	600/- روپے	
آرزو گھر آئی	500/- روپے	
تھوڑی دور ساتھ چلو	400/- روپے	

ناول سکھانے کے لئے کتاب ڈاک خرچ 45/- روپے
مکمل کاغذ
کتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

ناور کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد اس کے ساتھ
سوئے ہوئے کراہ رہی تھی۔
”ہائے نی ماں!“ وہ بڑبڑاتی رہتی۔ ساری رات
کراہتی رہتی۔

کلنی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ لاؤنج میں چلتی فلم کی
چنگھاڑی آوازیں اس کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی
تھیں۔

”آؤر! آئی کا رونا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔“ ٹانیہ
کی آواز۔ ”صرف ایک بار مل لو ان سے۔“

”جس دن تمہاری اصل ناور سے ملاقات ہوگی،
اس دن تم دیواروں سے لپٹ لپٹ کر روؤ گے۔“ گوگی
کی آواز۔

”کاش! تم ایک بار اپنی ماں کو ماں کی نظر سے دیکھ
لو۔ اپنی ماں کو گلی دے دو آؤر! ان نظروں سے مت
دیکھو۔“ فریال کی آواز۔

مگر اس نے دیکھا۔
آگنی عذاب ہے، اس صورت میں اگر اسے دیر
سے جانا جائے۔

وہ بمشکل خود کو قابو میں رکھ کر کھڑا ہوا۔
”امریکن جیل میں فون کر کے میں نے معلوم کیا تھا
ناور کا۔ چاہو تو تم بھی۔“ اس کے کھڑے ہوتے ہی وہ
فورا بولی۔

آؤر نے ایک زخمی سی نظر اس پر ڈالی اور وہ خاموش
ہو گئی۔

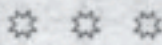
ان کے گھر سے نکل کر وہ بمشکل کچھ دور تک چل
سکا۔

سڑک روشن، لیکن سنیان تھی اور وہ کھل کر
رو سکتا تھا۔ دیواریں نہیں تھیں جن سے وہ لپٹتا تھا
پچھتاوا ضرور تھا۔

”ٹانیہ!“ کچھ دیر بعد اس نے ٹانیہ کو فون کیا۔
”ماں کا نمبر ہے تمہارے پاس؟ مجھے سینڈ کرو۔“ کچھ دیر
بعد وہ کچھ اور کرنے کے قابل ہو سکا۔

فریال کے فون پر تیل جا رہی تھی۔
”اما!“ کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولنے لگا۔

”اب کون سا حساب کتاب لینے کے لیے فون کیا
ہے تم نے؟“ نعمان کی کرخت آواز اسے سنائی
دی۔ ”آئی سی یو میں ہے وہ۔“



فریال کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ وہ آئی سی یو میں تھی
نعمان نے ایک شکیاتی نظر اس پر ڈالی اور ناپائت کیے
ایک طرف ہو گیا۔ آؤر کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زمین میں
زندہ ہی گڑ جائے اس نے کتنے رشتوں کو زندہ گاڑ دیا
تھا۔ گوگی، آئی، ان کے شوہر جیسی کہ ان کے بچے تک
ہسپتال میں تھے۔ وہ سب اس کی ماں کے لیے پریشان
اور فکر مند تھے اتنے سارے لوگ اس کی ماں سے
پیار کرتے تھے۔ ایک وہ ہی نہیں کر سکا۔

اولاد کے نام پر تنہا زندگی کیسے گزاری جاتی ہے
اس ہجر کی تصویر بنی فریال اکھڑی اکھڑی سانسیں لے
رہی تھی۔

آؤر نے جرمنی فون کر کے ٹانیہ اور نمل کو آنے
کے لیے کہہ دیا۔

دو دن بعد جب فریال نے ہوش میں آکر دیکھنا
شروع کیا تو اسے آؤر اپنا ہاتھ چومتا نظر آیا۔ وہ بار بار
اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں اور ہونٹوں کے ساتھ لگا رہا
تھا۔

”اما!“ وہ محبت سے لپکا رہا تھا۔
اس نے سوچا تھا کہ وہ آؤر سے لپٹ جائے گی مگر

آؤر اس سے لپٹ رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کا
ہاتھ چومے گی اور آؤر اس کا ہاتھ چوم رہا تھا۔ سوچ کی
تعبیر الٹ ہوئی مگر بہت خوب ہوئی۔

لوگ کہتے ہیں، ’مائیں معاف کری دیتی ہیں‘۔ انہیں
معاف کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ اس محبت کے ہاتھوں
مجبور ہوتی ہیں جو وہ اپنی اولاد سے کرتی ہیں۔ ماں وہ سختی
ہے جس پر اولاد کچھ بھی لکھ سکتی ہے مگر ماں صرف
”محبت“ لکھتی ہے۔

